مطبوعات

اقضیۃ الرسولؐ (اُردو ترجمہ)
تالیف: محمد بن فرج المعروف بابن الطلاع الاندلسی۔ تلاش نسخہ، تحقیق و حواشی از جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد ضیاء الرحمٰن اعظمی، فیکلٹی آف حدیث، مدینہ یونیورسٹی۔ اُردو ترجمہ: زیر اہتمام ادارہ معارفِ اسلامی منصورہ۔ بہت بڑے سائز (۱۰ ۳/۴" × ۷") کے ۹۲ صفحات۔ آراستہ و پیراستہ مضبوط جلد، سفید کاغذ، قیمت صرف ۱۶۵/- روپے۔ کتاب کو ایک نظر دیکھ کر آدمی یہ تسلیم نہیں کر سکتا کہ اتنی کم قیمت اس کی ہوگی۔

ایک نوجوان یو پی کے ہندو خاندان سے اُٹھا، وہ کلمۂ حق کے جام سے سرشار ہوا، خدا سے بندگی اور رسولؐ سے اطاعت کا پیمان باندھا اور اس کے لیے دیکھتے دیکھتے گھر تو گھر، پورے وطن کی پھیلی ہوئی زمین اتنی تنگ ہو گئی کہ امن سے بیٹھنے کے لیے اسے جگہ نہیں مل رہی تھی۔ وہ چھپتا چھپاتا کبھی ایک جگہ جاتا، کبھی دوسری جگہ، ہر جگہ سرمستانِ تعصب پہنچ جاتے۔ یہ نوجوان ہندو غنڈوں کے ہاتھوں پٹا۔ خدا خدا کر کے کہیں چھپ چھپا کر میٹرک پاس کیا، پھر یکایک مولانا مودودیؒ کی کتاب دینِ حق کا ہندی ترجمہ پڑھا، جس کے متعلق ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ اس نے میرے دل کی دُنیا ہی بدل ڈالی۔ پھر انہوں نے مولانا کی ہندی میں ترجمہ شدہ تمام کتابیں پڑھ ڈالیں، مگر پیاس تھی کہ اور زیادہ بھڑکی۔ پناہ گاہ کی تلاش میں جگہ جگہ پہنچے، مگر بالآخر درس گاہِ دارالاسلام بدایوں میں چار سال ٹِک کر تعلیم پانے کا موقع مِلا۔ فارغ ہونے پر ۱۹۶۶ء میں انہیں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں داخلہ مل گیا۔ یہاں اعلیٰ دینی تعلیم حو

یہاں وہ فیکلٹی آف حدیث میں مامور ہوئے اور یہیں انہوں نے یہ تحقیقی کام کیا جس کا تعارف ہم کرا رہے ہیں۔ متعصب ہندو غنڈوں کا ستایا ہوا وہی نوجوان آج عالمِ اسلام کی

اعلیٰ یونیورسٹی میں شعبۂ حدیث کا ڈاکٹر پروفیسر رہے۔

ڈاکٹر محمد ضیاء الرحمٰن اعظمی کی متعدد تصانیف پہلے سے ہیں اور بعض نئی چیزیں لکھنا پیش نظر ہے۔

الطلاع الاندلسی کی متذکرہ کتاب سقوطِ اندلس اور بربادیٔ مسلمانانِ اندلس کے بعد نگاہوں سے اوجھل ہوتی چلی گئی۔ دُنیا کی چند لائبریریوں میں اس کے مختلف نسخے موجود تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے نسخہ محفوظ بہ حرمِ مکی (نمبر ۱۳) پر توجہ کی۔ پھر دوسرے مختلف نسخوں کا مطالعہ کیا۔ متن کی صحیح اور جامع ترین شکل معین کی۔ پھر تمام متعلقہ احادیث کی تخریج کی۔ مندرجہ حوالہ جات و اقتباسات کے مصادر و مراجع دریافت کئے۔ اختلافِ مسالک اور مختلف الفاظ کے متعلق حواشی لکھے۔ رموزِ اوقاف کا اہتمام کیا۔ جدید معیارِ تحقیق کے مطابق ضروری ضمیمے پیش کئے۔ (تفصیل ملاحظہ ہو۔ ص ۴۷-۵۰)۔

مباحث میں اوّلاً یہ ہے کہ القضا فی الاسلام کیا ہے۔ دوسری قیمتی بحث امام ابن الطلاع کے دَور کے اندلس کے حالات کے متعلق ہے اور اندلس کی علمی ترقی کی تحریک کے متعلق (پہلی تا پانچویں صدی)۔ پھر سیاسی بحث، پھر تعارف مؤلف، پھر مختلف عنوانات فقہی کے تحت آنحضورؐ کے احکام اور فیصلے بیان کئے گئے ہیں۔ اس باب کا دردناک ترین واقعہ یہ ہے کہ سقوطِ اندلس (۸۹۷ھ) کے وقت طلیطلہ کے لاٹ پادری نے مسلمانوں کی ایک لاکھ کتابیں جمع کر کے اُن کو آگ لگا دی۔ پانچویں صدی میں علم کا اتنا فروغ ہوا کہ کتابوں کے ناموں کی ۴۴ فہرستیں (مجموعی ۸۰۰ صفحات) الحکم کی لائبریری میں موجود تھیں۔

آخر میں استدراک علی اقضیۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم (لابی محمد ابن فرج المعروف بابن الطلاع) شامل ہے۔

پہلا تاثر تو میرا یہ ہے کہ یہ ہمارے اسلاف کے چھوڑے ہوئے خزانہ ہائے علم میں سے بہت ہی بڑا ایک خزانہ ہے۔ جس میں زندگی کے متعلق تحقیق شدہ احکام اور حواشی میں ان کے متعلق مختلف اجتہادی فقہی آرا مذکور ہیں۔

دوسرا تاثر میرا یہ ہے کہ اس دَور کے حالات کے لحاظ سے حضورؐ کے دیئے ہوئے احکام

کے یکجائی مجموعوں کی بھی ضرورت ہے۔ مگر ساتھ ہی دوسری بڑی ضرورت خالص عدالتی فیصلوں کو الگ کر کے پیش کرنے اور یہ نتھار کر دکھانے کی ہے کہ یہ رسولؐ بہ حیثیت امیر کے احکام یا فیصلے نہیں ہیں۔ مجموعی فیصلوں کو تو ہم احکام القرآن کی طرح احکام الرسول یا احکام الحدیث کے عنوان سے لا سکتے ہیں۔ لیکن جب لفظ قضا آتا ہے تو مروجہ اصطلاحی معنی کے لحاظ پہ ذہن فوراً عدالتی کارروائی کی طرف منتقل ہوتا ہے۔

میرا تیسرا بڑا تاثر یہ ہے کہ مسائل و احکام پر غور کرنے اور ان سے استنباط و استفادہ کر کے نئے اطلاقی اجتہادی احکامات برآمد کرنے والے یا ایسی بحثیں کرنے والی مجالس یا اداروں سے تو اس کتاب کا خاص تعلق ہے۔ رہے عام سطح کے آدمی، سو ان کے لیے مشکلات بڑھ جائیں گی۔ عام آدمیوں سے میری مراد ایک تو وہ لوگ ہیں جو ابھی دین کے اصولی احکام و مقاصد ہی کو نہیں پا سکے ہیں۔ اور عملی انحرافات بھی رکھتے ہیں اور ان کی تعداد بہت ہے۔ ٹھیک ہے کہ ان میں سے کم ان کو پڑھیں گے۔ لیکن جو لوگ کچھ ابتدائی دینی رجحان رکھتے ہوں گے تو وہ اپنے مرتبے سے زیادہ آگے کے قضیوں میں الجھ جائیں گے۔ مگر ان میں سے بھی زیادہ وہ فریب خوردگانِ فرنگ ہیں جن کی برین واشنگ دو صدیوں سے ہو رہی ہے۔ اور اب بھی مسلسل لٹریچر، علوم، ثقافت، آرٹ اور مسائل زندگی کے متعلق ملحدانہ اور سیکولر بنیادوں پر بحثیں پھیلاتے رہنے سے ہوتی رہتی ہے۔ احساسِ کہتری کے مارے ہوئے یہ لوگ اور ان میں علمِ مغرب کا بھرا ہوا اکبر آج کل جس سیکولر اسلام یا اسلامی لبرلزم کی شکل میں پھیل رہا ہے، اور پھر یہ لوگ عہدوں اور دولت اور سیاسی پنجہ گیری کی وجہ سے صحیح اسلامی تصورات کے خلاف رجعت پسندی اور ملائیت اور تنگ نظری اور علم دشمنی اور جمہوریت دشمنی اور فنڈا منٹلزم یا بنیاد پرستی کے طعنے دین کی ہر صدائے حق پر اور قرآن و حدیث کے بالکل صریح تقاضوں پر بلند کر رہے ہیں تو اندازہ کیجیے کہ ان کے حلقوں میں اگر اس کتاب کے حواشی کی وہ فقہی بحثیں پھیلیں جو ایک دوسرے کی کاٹ کرتی ہیں تو یہ لوگ ہمارے مختلف ائمہ کو دوسرے ائمہ کے خلاف کھڑا کر کے عین دین کے حقائق پر ہاتھ صاف کر دیں گے۔ یہ پڑھے لکھے لوگوں کے فتنہ و ضلالت کا ایسا خوفناک

دُور ہے کہ اس میں بڑی احتیاط کرنی چاہیے۔ بحث اور اختلافات اگر مخلصانہ ہوں تو اس کا مقصد تو حق کے زیادہ سے زیادہ بہتر تصور تک پہنچنا ہوتا ہے۔ بلکہ ایک صاحبِ دل کے قول کے مطابق فقہی بحث و تحقیق تو ذریعہ ہے خدا و رسولؐ کے قریب تر پہنچنے کا مگر یہیں خدا و رسولؐ سے فراریت پسندوں کے ایک جدید مُسلم گروہ سے واسطہ ہے۔ اعلیٰ عربی کتابوں کا ترجمہ کر کے اہلِ زیغ کے سامنے رکھنا اپنی مشکلات کو بڑھانا ہے۔

اب میں بعض قابلِ توجہ اشارات عرض کرتا ہوں:

اس کتاب کی کتابت متوسط سی ہے، لیکن اس کے شایانِ شان نہیں ہے۔ صرف ایک مثال دوں گا۔ ص ۲۴ کی پہلی دو سطروں میں "کا، کی، کرمیہ، کی، کو، مشترک"، وغیرہ کی کاف کی کششوں کی طوالتِ بے جا دیکھیے۔

ص ۲۵ پر حضرت زید بن ارقمؓ کی روایت سے حضرت علیؓ کی ایک مقدمے کی جو کارروائی بتائی گئی ہے، وہ بڑی حیران کُن ہے۔ تین آدمی ایک عورت سے ایک ہی طہر میں ہم بستری کرتے ہیں اور پیدا ہونے والے لڑکے کے متعلق ہر ایک کا دعویٰ ہے کہ یہ میرا ہے۔ ان مردوں کی بے غیرتی کو جانے دیجیے کہ یہ لوگ ایسے گرے ہوئے تھے کہ وہ اپنی اس طرح کی حیوانی حرکت کو قاضی کے سامنے بیان کریں، زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ حضرت علیؓ مقدمہ کی کہانی کے اس پہلے مجرمانہ حصے کا خفیف سا نوٹس بھی نہیں لیتے کہ یہ بات معمول کے بہت خلاف واقع ہوتی ہے۔ پھر اس کے بعد جس طرح لڑکے کے معاملے کا فیصلہ کرتے ہیں وہ قانونی کارروائی نہیں معلوم ہوتا۔ آخر میں قرعہ اندازی کرتے ہیں۔ اور یہ سب سُن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس زور سے ہنستے ہیں کہ ڈاڑھیں نظر آنے لگتی ہیں۔ پھر حضرت علیؓ نے اس قضیے سے متعلقہ عورت کو طلب کر کے اس کا بیان نہیں لیا۔ ابن حزم کہتے ہیں کہ سند کے لحاظ سے یہ صحیح ہے مگر میں کہتا ہوں کہ درایت بھی تو کوئی چیز ہے! شریعت کے اُصول اور قضا کا قانون نہایت نازک اور سنجیدہ معاملے ہیں۔ کیوں نہ ہم ابوداؤد اور ابن ماجہ کی اس روایت کو وزن دیں کہ بعض اہلِ علم نے اسے مرسل ہونے کی بنا پر ضعیف قرار دے دیا ہے۔

عدت گذارنے والی عورت کی فقہی بحثیں بڑی طویل ہیں ۔ میں صرف ایک جزئیہ نقل کرتا ہوں ۔ "امام مالکؒ" اور "امام شافعیؒ" فرماتے ہیں کہ اسے (طلاق دینے والے شوہر کے گھر میں) سکونت کا حق تو حاصل ہے، نفقہ کا نہیں ۔ چند اور ائمہ کی رائے بھی یہی ہے ۔ مگر اس بے ذریعہ عورت کے نان و نفقہ کا کیا حل ؟ یہ بات فقہاء نے سوچی ہی نہیں ۔ حالانکہ وہ یہ تجویز دے سکتے ہیں کہ بیت المال سے اسے سہارا ملنا چاہیے ۔ یا آجکل کے دور میں مثلاً زکوٰۃ فنڈ سے یا کسی جائنٹ سیکورٹی فنڈ سے، یا مصیبت زدہ خواتین کی مدد کے کسی فنڈ سے ۔ لیکن وہاں مسئلہ بتا کر حل بتانے کی ذمہ داری سے کنارہ کر لیا گیا ہے ۔ اسی طرح عدت میں گھر سے نکلنے نہ نکلنے کے مسئلے میں اختلافات ہیں ۔ کوئی قولِ فیصل نہیں ۔

ص ۳۰۴ پر حافظ ابن حجر کی یہ رائے درج ہے کہ "یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے تھی کہ آپ کی صاحبزادیوں پر دوسرے نکاح نہ کیے جائیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ صرف حضرت فاطمہؓ کے لیے خاص ہو" ۔ (فتح الباری ۹ ــــ ۳۲۹) ۔ حضورؐ نے فرمایا یہ تھا کہ " اللہ کے نبی کی بیٹی کے ساتھ اللہ کے دشمن کی بیٹی کبھی اکٹھی نہیں ہوسکتی ـــــ مجھے اندیشہ ہے کہ فاطمہؓ اپنے دین کے سلسلہ میں فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائے" ۔ (بخاری) اتنی صریح دلیل کے ہوتے ہوئے حضورؐ کی بیٹیوں کے لیے ایک اصول عام بنانے کی کوئی گنجائش نہیں ۔

ص ۴۹۲ کے حاشیے میں خواب بنائے روایت ہے اور روایت مرسل ہے اور نتیجہ یہ نکالا گیا ہے کہ حضورؐ کی وجہ سے جناب ابوطالب کے عذاب میں تخفیف ہوگی ۔ ایسی احتمالی چیزوں کو مدار بحث بنا کر علمی دائرے میں داخل کر دینا کیسے مناسب ہے ۔ پہلے شرائطِ شفاعت و بخشش قرآن میں دیکھنی چاہئیں ۔

اس طرح کی اور بھی لمبی لمبی بحثیں تجزیہ طلب ہیں ۔ مگر یہ کتاب خواشی کی بحثوں سمیت اہلِ علم دین اور محبانِ دین کے لیے ایک دولتِ بے پایاں ہے، مگر دین کا منہ نوچنے والے جدیدیوں کے لیے اس طمنچے کی طرح ہے جو بچے کے ہاتھ میں آجائے اور وہ اسے چھیڑتے چھیڑتے اپنے ہی اوپر گولی چلا دے ۔